نشری تقریر

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۂ یوسف کی پہلی تین آیات

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
الٓرٰ قف تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا
لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ
بِمَآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِہٖ
لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ○ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

"الف لام را، یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو بالکل واضح ہے۔ ہم نے اسے قرآنِ عربی بنا کر اُتارا تاکہ تم اچھی طرح سمجھ سکو۔ (اے نبی!) ہم آپ کو ایک بہترین سرگزشت سُناتے ہیں اِس قرآن کے ذریعے جو ہم نے آپ پر وحی کیا ہے۔ یقیناً اِس سے قبل آپ اِس سے ناواقف تھے!"

سورۂ یوسف کی ابتدائی تین آیات اور ان کا ترجمہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ قرآن حکیم میں دو ہی سورتیں ایسی ہیں جو از اوّل تا آخر کسی ایک ہی نبی یا رسول کے حالات پر مشتمل ہوں۔ ایک سورۂ یوسف اور دوسری سورۂ طٰہٰ۔ اور ان دونوں کے مابین ایک عجیب تعلّق یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السّلام کے زمانے میں بنی اسرائیل مصر میں داخل ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانے میں اُن کا مصر سے نکلنا ہوا۔ سورۂ یوسف میں از ابتدا تا انتہا حضرت یوسف علیہ السّلام کے حالات و واقعات کا بیان ہے اور سورۂ طٰہٰ میں اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے حالات و کوائف بیان ہوتے ہیں!

مصحف میں سورۂ یوسف سے قبل دو سورتوں کا آغاز الف لام را کے حروفِ مقطّعات

سے ہوا ہے، یعنی سورۂ یونس اور سورۂ ہُود ـــــــ تینوں سورتوں میں حروفِ مقطعات کے فوراً بعد قرآنِ حکیم کی عظمت اور جلالتِ شان کا ذکر ہے۔ پہلی دونوں سورتوں میں، جن کے مابین نسبتِ زوجیّت بتمام وکمال موجود ہے، قرآن کے حاملِ حکمت ہونے کا بیان ہے، اگرچہ اسلوبِ بیان دونوں جگہ جدا ہے ـــــــ گویا ع "اِک پھُول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں!" والا معاملہ ہے۔ لیکن سورۂ یوسف میں قرآن کے ایک کتابِ مُبین ہونے کو واضح کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ، یہ وہ کتاب ہے جو اپنے مفہوم و مدلول کی جانب پُوری وضاحت اور کمالِ قطعیّت و حتمیت کے ساتھ رہنمائی کرتی ہے۔ اِس کا سبب غالباً یہی ہے کہ اِس سُورت میں ایک طویل قصّہ بیان ہو رہا ہے، اور اگرچہ قرآنِ حکیم نے اِس قصّے میں بھی جا بجا حکمت کے موتی بکھیر دیئے ہیں، لیکن قصّے کا اصل وصفِ مطلوب یہ ہوتا ہے کہ اس کے بیان میں اینچ پیچ یا ہیر پھیر نہ ہو۔ بلکہ واقعات کو اس طرح بیان کیا جائے کہ وہ ایک مسلسل لڑی کی کڑیاں معلوم ہوں۔ اور جہاں پیرایۂ بیان ایسا ہو کہ دلچسپی برقرار رہے اور سامع یا قاری کی پوری توجّہ اِس پر مرتکز رہے وہاں بات مربوط و مسلسل بھی ہو اور مفید و نتیجہ خیز بھی ـــــــ یہی سبب ہے کہ تیسری آیت میں حضرت یوسف علیہ السّلام کے قصّے کو: "اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ" قرار دیا گیا ہے، "اَحۡسَنَ الۡقِصَصِ" نہیں فرمایا گیا، 'قِصَص' قِصّہ کی جمع ہوتی اور 'اَحۡسَنَ الۡقِصَص' کے معنی ہوتے بہترین قصّہ ـــــــ جبکہ 'قَصَص' مصدر ہے جس کے معنی ہیں بیان کرنا، اور اگرچہ بلاشبہ یہاں یہ مصدر بمعنی اسم آیا ہے اور مراد اس سے قِصّہ ہی ہے، لیکن مصدر کے استعمال سے اشارہ ہوگیا کہ اس میں اصل 'حُسن' بیان کرنے والے کے پیرایۂ بیان کا ہے۔ ورنہ اچھّے سے اچھّے قصّے کو بھی بھونڈے طرز پر بیان کرکے اُس کے سارے حُسن کو زائل کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں آغاز ہی میں قرآن کے 'مبین' ہونے پر زور دیا گیا۔

حُروفِ مقطعات کے بارے میں صحیح رائے یہی ہے کہ اِن کے معنی و مفہوم کا قطعی و حتمی علم سوائے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو نہیں ہے۔ اِس کے یہ معنی بہرحال نہیں ہیں کہ، نعوذ باللّٰہ من ذٰلک، یہ بے معنی ہیں۔ یقیناً یہ معنیٰ کے حامل بھی ہیں اور حکمت کے بھی۔ چنانچہ بہت سے حضرات نے اپنے اپنے ذوق اور اپنی اپنی کاوش کی مناسبت سے اُن کے معانی و حِکَم کی جانب اشارے کیے ہیں۔ جیسے کہ خود صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبداللہ ابن

عباس رضؓ سے منقول ہے کہ اُن کے نزدیک حروفِ مُقطّعات پُورے پُورے جُملوں کا مُخفّف ہیں۔ چنانچہ "الف لام را" مُخفّف ہے: " اَنَا اللّٰہُ اَرٰی !" کا (یعنی مَیں اللہ دیکھ رہا ہوں!) واللہ اعلم۔ اسی طرح حال ہی میں ایک مصری مُحقّق رشاد خلیفہ نے کمپیوٹر کے ذریعے اُن کی عددی معنویت کا ایک کھوج نکالا ہے۔ لیکن یہ تمام باتیں اپنی اپنی جگہ احتمالِ صحت کے باوصف محض ظنّ وقیاس پر مبنی ہیں۔ صحیح بات یہی ہے کہ ان کے حتمی معنوں کا علم سوائے اللہ اور اُس کے رسول کے اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔

دوسری آیت میں خطاب اہلِ عرب کی جانب ہے، کہ تم پر ہمارا یہ عظیم احسان ہے کہ ہم نے اپنے آخری کلام اور ابدی ہدایتِ کاملہ کو تمہاری زبان میں نازل فرمایا، تاکہ تمہیں اس کے کما حقّہٗ فہم میں کوئی دُشواری پیش نہ آئے۔ اور اس کا نزُول تمہارے دل و دماغ پر بلا روک ٹوک ہو۔ اور یہ تمہارے باطن میں اِس طرح سرایت کر جائے اور تمہارے وجود میں اِس طرح رچ بس جائے کہ تم ع "قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن!" کے مصداق اس کی تعلیمات کا پیکرِ مجسّم بن جاؤ۔ اور اس طرح اپنے وجود سے ایک عالمی اسلامی انقلاب کا پیش خیمہ بن سکو، بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

چوں بجاں در رفت، جاں دیگر شود جاں چوں دیگر شد، جہاں دیگر شود

یہ آیت مبارکہ بڑے واشگاف الفاظ میں اعلان کر رہی ہے کہ قرآن مجید محلِّ تعقّل و تفکّر بھی ہے اور محلِّ تدبّر بھی۔ اور اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کے الفاظ بجائے خود بھی معجزہ ہیں اور اُن کا بغیر سمجھے محض پڑھ لینا بھی فائدے سے بالکل خالی نہیں ہے، اور اس کا صَوتی آہنگ بھی معجز نما ہے، اور اس سے بالکل غیر شعوری طور پر بھی روح کو غذا ملتی ہے۔ لیکن اِس کا اصل مقصدِ نزول تعقّل و تفکّر اور تفہّم و تدبّر ہے۔ بفحوائے الفاظِ قرآنی: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے، یا کیا ان کے دلوں پر تالے پڑ چکے ہیں!) —— اور بفحوائے حدیثِ نبویؐ: یَا اَھْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ فِیْ اٰنَاۗءِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَاَفْشُوْهُ وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا فِیْهِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ ("اے قرآن والو! قرآن کو تکیہ نہ بنا لینا، بلکہ اسے پڑھتے رہنا جیسے کہ اسے پڑھنے کا حق ہے۔ رات کے اوقات میں بھی اور دن کے اوقات میں بھی، اور اسے پھیلانا اور عام کرتے رہنا، اور اِسے خوش الحانی سے پڑھ کر حظ اٹھاتے رہنا، اور اِس پر تدبّر کرتے رہنا تاکہ تم فلاح پاؤ!) —— اللہ تعالیٰ ہمیں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان تمام احکام پر عمل پیرا

ہونے کی توفیق عطا فرمائے! آمین ثمّ آمین۔

تیسری آیت تمہید ہے حضرت یوسف علیہ السّلام کے قصّے کی، جسے یہاں "احسن القصص" سے تعبیر فرمایا گیا۔ اس لیے کہ اِس میں قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی حکمتِ تشریعی و تکوینی کے راز کھلتے ہیں اور واضح ہوتا ہے کہ یہ دُنیا نہ کوئی اتفّاقی حادثہ ہے، نہ کسی کھلنڈرے کا کھیل۔ اس کا ایک خالق و مالک ہے جس نے اِسے بنا کر یونہی اندھیر نگری چوپٹ راج کی طرح بگٹٹ نہیں چھوڑ دیا ہے، بلکہ وہ اس کا حاکم بھی ہے اور مُدبّر بھی ——— اور اس تدبیر میں اُس کے ارادہ و اختیار کے ایسے ایسے مظہر سامنے آتے ہیں کہ عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں، اور بے اختیار یہ الفاظ زبان پر آجاتے ہیں کہ: وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (اللہ اپنے ارادے اور مشیت کی تکمیل پر پوری قدرت رکھتا ہے لیکن اکثر لوگوں کو اس کا فہم و ادراک حاصل نہیں!)

واضح رہے کہ حضرت یوسف علیہ السّلام اور اُن کے حاسد بھائیوں کی سرگزشت کے پردے میں دراصل قریش کے ان لوگوں کو سبق دیا جا رہا ہے، جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت اور عداوت میں اِس حد تک پہنچ گئے تھے کہ آپؐ کے قتل کی تدبیر کر رہے تھے، کہ بے وقوفو! تم کیا اور تمہاری تدبیریں کیا! اصل فیصلہ اللہ کا ہے، اور وہ یہ ہے کہ: وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ (اللہ اپنے نور کا اِتمام فرما کر رہے گا، خواہ یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو!) ——— اور جس طرح وہی بھائی جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السّلام کو چاہِ کنعان میں پھینک دیا تھا، ایک روز سرنگوں اور شرمسار ہو کر اُن کے سامنے کھڑے تھے، اِسی طرح وہ دِن دُور نہیں کہ جنہیں قتل کرنے کے مشورے تم آج کل کر رہے ہو، فتحِ مکّہ کے دن تم اُن کے سامنے بالکل بے بس و لاچار حالت میں کھڑے ہو گے ——— اور اس وقت وہ تم سے وہی الفاظ کہیں گے جو حضرت یوسف علیہ السّلام نے اپنے بھائیوں سے کہے تھے: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (الآیۃ) کہ آج کے دن میں تم سے ملامت کا کوئی لفظ بھی نہیں کہنا چاہتا ——— اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ (الحدیث) جاؤ تم سب آزاد ہو!

آخری بات یہ فرمائی گئی کہ آج سے دو ڈھائی ہزار سال قبل کے جو حالات و واقعات اِس سورۂ مبارکہ میں اتنی وضاحت کے ساتھ بیان ہو رہے ہیں تو یہ کسی کا علمِ ذاتی ہے، نہ اِدھر اُدھر سے سُنی سنائی معلومات، بلکہ اللہ کی وحی ہے جو وہ اپنے محبوب بندے حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر

کر رہا ہے۔ اور وہ خود بھی اِس وحی سے قبل اِن حالات سے ناواقف تھے۔ اِس مقام پر "غٰفِلِیْنَ" کا لفظ بظاہر بڑا ثقیل ہے اور آنحضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے تذکرے میں تو واقعۃً ہر مومن کے لیے بڑا بھاری ہے لیکن اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت مضمر ہے۔ اور قرآن کا یہی وہ طرزِ بیان ہے جو آنحضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مبارک اور مقدّس شخصیت کے گرد ایک حِصار بن گیا ہے جس کے ذریعے آپ کو وہ تحفّظ حاصل ہو گیا کہ آپؐ سے انتہائی محبّت اور عقیدت کے باوجود اُمّتِ محمّد علےٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام اِس غُلو سے محفوظ رہی جس میں دوسری اُمّتیں مبتلا ہو گیئں۔ چنانچہ یہود نے حضرت عُزیر علیہ السّلام کو خُدا کا بیٹا قرار دے دیا، اور نصاریٰ نے تو اِبنیّتِ مسیحؑ کے عقیدے کو اپنے دین کا اصل الاُصول بنا ڈالا۔ ادھر بفضلہٖ تعالیٰ یہ حال ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کو تو خدا کہنے والے پیدا ہو گئے، لیکن آپؐ کی شخصیت اس سے محفوظ اور مامون و مصؤن رہی۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ! وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ

بقیہ: "علماء امّتی" کا شرعی مفہوم

مفتی محمد شفیع صاحب نے معارف القرآن میں اس مقام پر اتّباع بمعنی استماع پر ائمہ کا اتفاق تحریر کیا ہے۔ (جلد ۵ ص ۶۲۷)

○ ○

بقیہ: کاروانِ حدیث

[۱۰] ذہبی، "تذکرۃ الحفاظ" ج ۴ ص ۲۶۳

[۱۱] طاش کبریٰ زادہ، مفتاح السعادۃ، ج ۱ ص ۳۹۸

[۱۲] محمد بن جعفر کتانی (م ۱۳۴۵ھ) رسالہ المستطرفہ ص ۱۷۴

[۱۳] نووی، مقدمہ شرح مسلم ص ۴

[۱۴] حاجی خلیفہ مصطفےٰ، کشف الظنون ج ۱ ص ۸۰-۸۱

[۱۵] عبدالسّلام مبارک پوری، سیرۃ البخاری ص ۴۱۵

[۱۶] نواب صدیق حسن خاں، اتحاف النبلاء ص ۲۴۱۔

○ ○